Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

Received: 11th Aug, 2024 | Accepted: 15th Dec, 2024 | Available Online: 31st Dec, 2024
Digital Object Identifier: 10.52015/daryaft.v16i02.398

"انواسی": اثبات مرگ کا اظہاریہ

"Anwasi": An Affirmation of Death

DR. ABIDA NASEEM
Lecturer, Department of Urdu, University of Sargodha, Pakistan
(abidanaseem321@gmail.com)

ABSTRACT There is a popular trend to present woman as a topic through novels. These novels presents different social behaviors towards woman's role and value in a society. Sometimes the presentation of this topic shows reverse approach of the writers. In this context these novels reflects character assassination of a women through their approach. Anwasi is also a novel like this which addresses the role of a significant woman of the Punjab in 19th century. Characteristic study of this novel shows that writer has destroyed the character of sungri through his non constructive approach. This approach devalued the female character and she seemed like fake and unrealistic. This novel presents a spoiled perspective of this women. In this article the researcher tried to comprehend the approach of writer to assassinate the women character.
Keywords: Novel Anwasi, characteristic study, character assassination of a female character sungri.

اکیسویں صدی کا سیاق جمہوریت، انسان دوستی، انسانی شعور کی بیداری، وسیع تر آزادی اور عالم گیریت سے متشکل ہوا ہے۔ دنیا بھر میں زباں بندی اور استحصال کے خلاف آزادی اظہار اور حقوق کی پاسداری کی گونج ہے۔ جدید علوم وفنون طاقت کے وسیع بیانیے میں ہر دو فریقین کی حقیقت ونوعیت اور صورت گری کی تفہیم سے ہی متشکل ہوئے ہیں۔ علم وہنر کی ریل پیل کے اس منظر نامے میں جدید اردو فکشن نے بھی خوب استفادہ کیا ہے۔ گزشتہ دو دہائیوں میں اردو ناول کی تخلیق اور تحقیق وتنقید میں گراں قدر تغیرات اور تنوعات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ معاصر اردو ناول نے بھی یہاں کے سماجی و ثقافتی بیانیے میں موجود ثنویت و امتیاز، مختلف سماجی اکائیوں کی معدومیت اور ان کی بے داری کی جدوجہد، مقتدر بیانیوں کے طریقہ ہائے کار اور حکمت عملیوں اور اس منظر نامے کو متشکل کرنے والے داخلی وخارجی عوامل کی پیشکش سے اپنا خمیر اٹھایا ہے۔ جدید فکشن کا مسالہ بننے والے یہ حقائق اور ان کے اسباب وعلل کوئی نئی بات نہیں ہیں۔ یہ تمام مسالہ ایک متوازی بیانیے کی صورت میڈیا اور سوشل میڈیا کی تیز ترین ترسیل کے سبب ہمہ یا تخلیقی صلاحیت کافی نہیں، اس میں شعور، نظر، تجربہ اور تجربے سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت اور ان سب سے بڑھ کر ان مشاہدات کو انسانی مزاج ومذاق سے ہم آہنگ یا گھلا ملا دینے کی صلاحیت ضروری ہے۔(۱) محمد حفیظ خان کا ناول "انواسی" ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا ہے۔ "انواسی" ایک ایسا ناول ہے جو انیسویں صدی کے سیاسی وسماجی تناظر میں رہتے ہوئے مقامی عورت کے ایک مخصوص کردار کی نمائندگی کے لیے لکھا گیا ہے۔ ناول کی پیش کاری کے لیے جو فارمولا مصنف کے پیش نظر رہا ہے اس کے مطابق کسی خاص عہد کی روح کو کسی ایک کردار کے توسط سے منعکس کیا

OPEN ACCESS
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

جاتا ہے۔ جیسے "امراؤ جان ادا" میں امراؤ جان یا جیسے "آنگن" میں عالیہ کا کردار وغیرہ۔ گویا مصنف نے اس نسوانی کردار کی مدد سے انیسویں صدی کی وسطی دہائی میں پنجاب کے ایک مخصوص لوکیل کی زندگی کو ایک عورت کے توسط سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس مرکزی کردار کا نام سنگری ہے، سنگری کے لیے ہی مصنف نے انواسی کا لفظ برتا ہے جو ناول کا عنوان بھی ہے۔ کہانی کا لوکیل دریائے ستلج کے کنارے ریاست بہاولپور اور ملتان کی سرحد پر واقع ایک قصبہ آدم واہن کے گرد گھومتا ہے، جہاں ۱۸۷۲ء میں کراچی کو لاہور سے ملانے والی ریلوے لائن کو مکمل کرنے کے لیے دریائے ستلج پر پل بچھانے کا واقعہ موضوع بنایا گیا ہے۔ ریلوے کمپنی کی جانب سے جو نقشہ ڈیزائن کیا گیا اس کے مطابق پل بچھانے کے لیے بستی کے قدیمی قبرستان کو مسمار کر کے نئی جگہ منتقل کرنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ پرکھوں کی ہڈیوں اور اپنی جڑوں کی اس سفاکانہ منتقلی کے خلاف معدودے چند افراد ہی مزاحمت کرتے ہیں جن میں سے ایک سیدا بھی ہے۔ سیدا ایک کڑیل جوان ہے اور سنگری اس کی منکوحہ ہے۔ سنگری ایک بھرپور عورت ہے اور اپنی نسوانیت کا اثبات چاہتی ہے اس کے لیے وہ وقتاً فوقتاً سیدے کی مردانگی کو للکارتی رہتی ہے، مگر سیدے کے دماغ میں قبرستان کی منتقلی کی پھانس اٹکی رہتی ہے۔ بالآخر ایک دن اس کی مردانہ انا جوش میں آجاتی ہے اور وہ سنگری سے متشددانہ جنسی ملاپ کرتا ہے۔ سیدا چونکہ انگریزوں کو مطلوب تھا، ہر جگہ اس کی تلاش ہے اس لیے وہ منظر سے غائب ہو جاتا ہے اور کہانی کے انجام تک نظر نہیں آتا۔ ریلوے کمپنی اور انگریز حکام مسجد کے ملا کو آلہ کار بنا کر قبروں کی منتقلی سے متعلق فتویٰ لے لیتے ہیں اور پل کی تعمیر ممکن بنالی جاتی ہے۔ حاملہ سنگری ملا کی طاقت اور اثر و رسوخ کو استعمال کرنے کے لیے اس سے نکاح کر لیتی ہے اور چھ ماہ بیٹے کی ماں بن جاتی ہے۔ مشتعل عوام کے ہاتھوں ملا کے قتل کے بعد اس کے چھوٹے بھائی سے نکاح کر لیتی ہے، وہ دو روز میں ہی اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سنگری ملا کے بڑے بیٹے کو اپنی جانب راغب کر لیتی ہے تاکہ اسے آسائش زندگی میسر رہے۔ اسی دوران بستی میں ایک بہت بڑا سیلاب آجاتا ہے اور بستی دریا برد ہو جاتی ہے، سنگری اس سیلاب کی نذر ہو جاتی ہے البتہ اس کا بچہ ایک عزیز لے جاتا ہے۔

مصنف نے سنگری کو ایک غیر معمولی اور باشعور عورت بنانے کی کوشش کی ہے۔ سنگری نہ صرف مقامی عورت کی نمائندہ ہے بلکہ مصنف نے اسے یہاں کی دھرتی کا ایک استعارہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ سنگری کے لیے مقامی لغت کا لفظ انواسی مستعار لیا گیا ہے۔ ناول کے دیباچے میں مصنف نے وضاحت کی ہے کہ انواسی جنسی طور پر کنگال عورت کو کہتے ہیں۔ لغت میں انواسی کا مطلب جسمانی طور پر برتی ہوئی (کھنگالی ہوئی) یا شادی شدہ عورت مراد ہے[۲] ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ناول میں سنگری کے کردار کی تشکیل اسی لفظ میں معنی بھرنے کے واسطے کی گئی ہے۔ ذیل میں سنگری کے اس کردار کی کچھ جہات کی تفہیم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ناول کی ابتدا میں سنگری ایک غیر معمولی اور باشعور عورت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ قاری اس کردار سے متاثر ہوتا ہے اور اس کی کرداری اٹھان کی توقع کرنے لگتا ہے۔ ناول کی ابتدا میں مصنف نے بتایا ہے کہ مقامی دانش کے مطابق بستی میں طاقت اور مردانگی کے مظاہرے کے دو مرغوب اظہاریے تھے۔ ایک جوان لڑکی کو بھگا کر لے جانا اور دوسرا گائے بھینس کی چوری کرنا۔ بعض صورتوں میں تو بھینس کی چوری لڑکی کی چوری سے بھی زیادہ گردانی جاتی تھی۔۔۔۔باسیوں کو یقین تھا کہ جس طرح بڑے بڑے زرخیز تھنوں اور لانبی سیاہ آنکھوں والی چٹی گوری لڑکیاں اغوا ہو کر ہی رہتی ہیں اسی طرح لشکارے مارتی سیاہ بھینسیں اور دودھ سے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

بھرے تھنوں والی گائیں بھی پرایا دھن ہی ہوتی ہیں۔[۳] اس سیاق میں سنگری نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ سیدے کا نسبتی ٹھپہ اس کی شناخت تھا، وہ سیدے کے ملکیتی حصار میں قید تھی اور مامون تھی۔ اس کی ماں کہتی ہے کہ اگر وہ سیدے کی منگ نہ ہوتی تو کب کی اغوا ہو جاتی[۴] سیدے کے شناختی خول میں لپٹی سنگری کی کرداری اٹھان کا تعین تو اس کے افعال کریں گے، مگر مصنف نے اس کی جسمانی اٹھان کو خاصی محنت سے پیش کیا ہے اور اردو غزل کا پورا باب تازہ کر دیا ہے۔[۵]

ایک بولتے ہوئے سراپے والی زندگی سے معمور لڑکی کی یہی جسمانی اٹھان جب ترنگ بن کر اس کے سراپے میں دوڑنے لگی تو سیدے کا حفاظتی بندھن بیزاری اور جھنجلاہٹ بن کر اس کے اعصاب پر طاری ہو گیا۔ شعور کی بیداری اور عرفان ذات کی جستجو کا یہ روپ سنگری کو ایک زندہ، توانا اور فطری عورت کا کردار دیتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے شخصی آزادانہ استحقاق کو آزمانا چاہتی ہے۔ مروجہ ثقافتی بیانیے کی عطا کردہ نسبتی توقیر اسے کھلتی ہے، وہ اس رعایتی وقار سے نامطمئن نظر آتی ہے۔ اپنے جذباتی اور جسمانی کردار کی آگہی کی طلب اس میں شدت سے امنگ بھرتی ہے کہ وہ اغوا ہو جائے یا وہ کسی کے ساتھ بھاگ جائے۔ بالآخر وہ سرِ راہ سیدے کی غیرت کو للکارتی ہے کہ وہ اسے مکلاتا کیوں نہیں ہے، کیا اسے کسی اور کے لیے چھوڑ دے گا۔ کردار کو عظمت دینے کے لیے یہ للکار دیتے ہوئے مصنف نے اس کا سراپا یوں بیان کیا ہے۔۔ پوہ کی گہری ہوتی ہوئی شام میں سرسوں کی پھندنی جیسی پیلی چولی اور سرخ رنگ کی گھاگھری پہنے ہوئے۔ اس کا چہرہ زرد اور آنکھوں کا کاجل آنسوؤں سے بھیگا ہوا، وہ سیدے کے انتہائی قریب آگئی اتنی کہ اس کے بدن سے اٹھتی ہوئی جوانی کی مہک اس کے نتھنوں میں بپھرے ہوئے بیل جیسی وحشت جگانے لگی۔۔۔ سنا ہے تو مرنا چاہتا ہے گوروں کے ہاتھوں۔[۶]

انیسویں صدی کی غیر لچک دار اور صنفی امتیاز کی حامل اقداری تشکیل کے تناظر میں مقامی عورت کا یہ اقدام اسے جرات آموزی اور بلندی کردار عطا کرتا ہے، مگر یہ جسارت کردار سے بے خوفی، ارادے کی پختگی اور اپنی دنیا آپ بسانے کی بصیرت کی طالب ہے۔ مصنف نے للکار دیتی ہوئی جو عورت دکھائی ہے یہ تو اس دھرتی کی فراق زدہ مقامی عورت کا سراپا ہے جس کے گال کی سرخی اور آنکھ کی چمک کو وصال کی کسک نے چاٹ لیا ہو۔ یہ سراپا مرد کو للکارنے والی آن اور تمکنت سے محروم نظر آتا ہے۔ یہ تو چرنوں میں دان کرنے والی داسی کا روپ ہے۔

بہر حال سنگری کی طرف سے خواہش کے یوں بے مہابا اظہار کا جواب وقارزدگی کی لپیٹ میں آئے ہوئے سیدے کی جانب سے ایک زوردار تھپڑ کی صورت دیا جاتا ہے۔ یہاں سنگری کا کردار پلٹا کھاتا ہے اور وہ اپنی امنگوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس ہتک کا بدلہ لینے پر تل جاتی ہے۔ یہاں تک سنگری کا کردار مائل بہ ارتقاع نظر آتا ہے۔ قاری محسوس کرتا ہے کہ ایک عورت کی نسوانی انا مقامی مرد اساس اقداری معیارات کی پاسداری کے باعث مجروح ہوئی ہے۔ قاری سنگری سے ایک غیر معمولی ردعمل کی توقع کرنے لگتا ہے۔ غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد جب سیدا سنگری کو مکلانے جاتا ہے تو وہ صریحاً انکار کر دیتی ہے، اور جب سیدا اسے طعنہ دیتا ہے کہ کیا کسی اور کو منتخب کر لیا ہے تو وہ جوتے سے اس کی پٹائی کرتی ہے اور اس کے منہ پر تھوک دیتی ہے۔[۷] عورت کی پیش قدمی کی تنکیر اس کے اندر خواہش اور مروجہ رشتے کو قبولنے کی تنکیر کی صورت میں متشکل ہوتی ہے۔۔۔ بھول جا کہ میں کبھی تیرے حق میں تھی۔ عزت

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تیری اسی میں ہے کہ کاغذ دے دے مجھے کل تک نہیں دے گا تو میں بھی کسی آتے جاتے کے نیچے لیٹ جاؤں گی۔۔۔[۸] اتنا کھلا چیلنج سیدے کے اعصاب سہار نہ سکے اور اپنی توہین کا بدلہ چکانے کے لیے وہ سنگری کو اٹھا کر لے گیا اور اس کے دماغ کا کیڑا نکالنے کے لیے خوب پٹائی کی۔ سنگری نے جس طرح جوتے اور تھوک سے سیدے کی توہین کی اس کے بعد اسے متوقع ردعمل کے لیے تیار رہنا چاہیے اور اسے برداشت کرنے کا حوصلہ بھی رکھنا چاہیے تھا۔ اس مرحلے پر اصولاً تو دونوں کا کیتھارسس ہو جانا چاہیے تھا دونوں نے ایک دوسرے کی ہتک کی اور دونوں نے اس کا بدلہ لیا اور ایک دوسرے کو اذیت پہنچائی، مگر مصنف اسے کافی نہیں سمجھتے، وہ سنگری کے کردار میں مزید رنگ بھرنے کے لیے ابھی صورت حال میں مزید بگاڑ چاہتے ہیں۔ نکاح میں آئی ہوئی جوان عورت کے قرب اور کشش میں مبتلا سیدا گومگو کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اور اس کے دل میں اپنے کیے پر ندامت اور ملال پیدا ہوتا ہے۔۔ کوئی بھلا اپنے نکاح میں آئی ہوئی عورت سے بھی ایسا سلوک کرتا ہے۔۔ سارا قصور اسی حرامزادی کا تو ہے۔۔ تھوکتی تھی نہ مجھ پر۔۔ یہ مجھے جوتے مارے اور میں بٹھاؤں اسے سر آنکھوں پر۔۔ جان لے کہ حق والیوں کا اگر دماغ خراب ہو جائے تو انھیں رنڈی کیسے بنایا جاتا ہے۔[۹] ممکن تھا کہ یہ متشددانہ ملاقات کسی فطری انجام کی طرف بڑھ جاتی اور دونوں کرداروں کے جذباتی وفور میں کوئی ٹھہراو کا مقام آجاتا، مگر سنگری کا جارحانہ رویہ سیدے کے اشتعال کو انگیز کرتے ہوئے ایسی نہج پر لے آتا ہے کہ وہ بہ جبر جسمانی حق وصول کرنے پر تل جاتا ہے۔۔ بہت کتی چیز ہے تو۔۔۔ تقدیر لکھنے والے نے تو تجھے میرے ہاتھ سے بچ جانے کا موقع دیا تھا مگر جو عورت اپنی تقدیر خود لکھنا چاہتی ہو اسے پھر تقدیر لکھنے والا بھی نہیں بچاتا۔۔ تو میرے نکاح میں تھی۔۔ تو نے میرے منہ پر تھوکا اور میں نے تیری کوکھ میں، حساب برابر۔۔۔ جا میں نے تجھے آزاد کیا۔[۱۰] ہیجانی ملاپ کا یہ لمحہ ایک بھیانک صورت میں منتج ہوا۔ سنگری جسمانی جولانیوں کو کھوجنا چاہتی تھی اور مرد کے قرب کی متمنی تھی اور سیدا بھی اس کے وصل سے باریاب ہونا چاہتا تھا۔ حاکم وقت سے ٹکر لینے کے باعث سنگری سے دوری اور بے مراد مر جانے کا خوف اس کے اعصاب پر طاری تھا۔ اب جبکہ دونوں کی خواہش کی تکمیل کا ساماں ہو گیا تھا تو پھر یہ بھیانک نتیجہ ناقابل فہم اور بلاجواز ہے۔ بقول فیصل اقبال اعوان مصنف نے بلاوجہ کی سنسنی پیدا کرنے کی کوشش میں کرداروں سے ان کی نفسیاتی گہرائی چھین لی ہے۔ ان کے اندرون، ان کے جذباتی ہیجان، محسوسات، نفسیاتی کشمکش اور انفرادی پندار کا بیان اتنا بچکانہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک فنکار انھیں اتنی بے ہودگی سے کیسے بیان کر سکتا ہے۔۔ کردار۔۔ کسی سنجیدہ مطالعے کا موضوع نہیں بن پاتے اور نہ ہی اپنے دور کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کے آئینہ دار بن پاتے ہیں۔[۱۱]

یہی وہ نازک مقام ہے جہاں کردار کا ارتقاع معکوس سمت مڑتا نظر آتا ہے۔ کردار نے جس جرات مندی، قوت ارادی اور وجودی حرمت کی پاسداری کے شعور کا مظاہرہ ابتدا میں کیا، آگے چل کر اسے نبھانے اور استحکام دینے سے قاصر رہتا ہے۔ وہ اس عظمت کی قیمت سے بے بہرہ ہے۔ مروجہ اقداری پیمانوں سے مزاحمت کرنے اور ہوا کے مخالف چلنے والے کرداروں پر بھاری ذمہ داری آن پڑتی ہے اور یہی تخلیق کار کا امتحان بھی ہے۔ اس صورت حال کو جذباتی اتار چڑھاؤ کے فطری عمل سے گزار کر محسوسات کے تخلیقی اور فن کارانہ اظہار کی صورت ایک عمدہ کیتھارسس کا روپ دیا جا سکتا تھا مگر مصنف اس میں ناکام رہتے ہیں، اب تو اس پر کسی پنجابی فلم کا گمان ہوتا ہے۔ مصنف کرداروں کے افعال کو نفسیاتی اساس فراہم کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ کسی بھی کردار کو محسوسات کے نازک مقامات

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

آہ وفغاں سے گزارنے کے لیے محض سماجی مشاہدات اور خارجی افعال کا بیان کافی نہیں اس کے لیے انسانی بطون کی غواصی اور پختہ تخلیقی شعور نہایت ضروری ہے ورنہ تخلیق کار کردار کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔۔۔ناول نگار اپنے کرداروں میں جو رنگ بھرتا ہے وہ اس کے مشاہدات کا رنگ ہوتا ہے اور اس کو پیش آنے والے تجربات کا رنگ ہوتا ہے جو اس قدر پختہ، گہرا اور شوخ ہوتا ہے کہ ہر کردار کا پیرہن نمایاں ہو جاتا ہے۔اور یہ سب ناول نگار کی تخیلی اور تخلیقی صلاحیتوں کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ (۱۲)

اس ملاقات سے فارغ ہوتے ہی سیدے کو انگریز فوج آلیتی ہے اور وہ ڈرامائی طور پر مفرور ہو جاتا ہے۔سنگری حاملہ ہو چکی ہے مگر وہ جہاندیدہ ماں کی آنکھوں میں دھول جھونکتی ہے اور حمل ٹیسٹ کرنے کے سارے مروجہ حربے بھی اس کی نیگٹو رپورٹ دیتے ہیں۔وہ ماں کے شک کے سامنے مسلسل انکاری رہتی ہے اور یہ تسلیم نہیں کرتی کہ وہ اپنے شوہر کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔عورت کا یہ رویہ منطقی طور پر انتہائی کمزور اور بودا ہے۔بالآخر وہ سب کی مخالفت مول لے کر بستی کے مولوی جار اللہ سے نکاح کر لیتی ہے۔ (۱۳) سنگری کو ایک بہادر اور اپنے فیصلے آپ کرنے والی عورت ظاہر کیا گیا ہے۔سیدے کے ساتھ جھگڑے کا فیصلہ بھی اس کا اپنا تھا اور اس کی انا کے تحفظ کی خاطر کیا گیا تھا پھر کیا وجہ کہ وہ اپنے فیصلے کا بوجھ اٹھانے سے قاصر رہتی ہے اور جھوٹ کا سہارا لیتی ہے۔سیدے جیسا اکھڑ مرد ہمیشہ سے اس کا آئیڈیل رہا جو طاقت سے عورت کو رام کرے۔

لڑکیاں پوچھ ہلانے والے کتوں کے پیچھے نہیں جاتیں وہ تو جاتی ہیں ان کے پیچھے جو گردن میں دانت گاڑیں اور سارے بدن سے روح نکال لیں۔۔۔۔۔۔مرد تو وہ کسی کام کا ہوتا ہے جو عورت کے ترلے نہ کرے، نیچے لگا کے رکھے مگر پیار سے۔۔چمڑی ادھیڑ دے مگر کسی اور کو انگلی نہ کھڑی کرنے دے۔۔وہ گالیاں بھی دے تو کانوں میں ماکھی ٹپکے، ظلم کرے تو اس پر پیار آئے۔۔وہ قدم بھرے تو بھوئیں کو کانبا ہو۔چاند نکلے تو وہ مشکی سانپ کی طرح کالا لگے اور رات کالی ہو تو چاند بن جائے۔ (۱۴)

پھر جب ایسا ہی مرد جسمانی طاقت کے بھرپور مظاہرے کے بعد اس کی کوکھ ہری کر جاتا ہے تو ڈر کس بات کا۔اسے تو اس پر فخر کرنا چاہیے، فخر نہ بھی ہو تو کم از کم اتنی اخلاقی جرات ہونی چاہیے کہ اس کے ساتھ اپنے رشتے کی سچائی کو تسلیم کر سکے۔بہادری سے اتنا بڑا اقدام اٹھانے والی عورت بے بنیاد خوف سے زمیں بوس ہو گئی۔مروجہ معاشرتی معیارات کے مطابق کسی بن بیاہی کا حاملہ ہونا ضرور ناقابل قبول تھا مگر اس کے پاس تو اپنے شوہر کا نام قانونی اور اخلاقی ڈھال کے طور پر موجود تھا۔اس نے جب اپنے اختیار اور طاقت کو آزما کر یہ گھڑی مول لی تھی تو پھر اپنی اولاد کو جرات اور وقار کے ساتھ باپ کی شناخت دینی چاہیے تھی۔ایسے میں خوف زدہ ہونے اور تحفظ حمل کی خاطر ملا سے نکاح کرنے کا فیصلہ منطقی طور پر انتہائی سطحی اور کمزور ہے اور کسی بھی طرح سنگری جیسی عورت کے کردار سے لگا نہیں کھاتا۔بستی کے ایمان کا سودا کرنے والا، انگریز سرکار کا آلہ کار ساٹھ سالہ بڈھا گھاگ مولوی اتنا احمق کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چھوکری کی چال کا آسانی سے شکار ہو جائے۔دوسری طرف ایسا شخص سنگری کا انتخاب کیسے ہو سکتا ہے جب کہ بہت سے کڑیل مرد اس کے عشق میں آہیں بھرتے ہوں اور شادی کے خواہش مند ہوں۔مصنف ایسا کر کے کردار کو جس دانش اور بصیرت کا حامل دکھانا چاہتے ہیں وہ بعید از قیاس اور خاصا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔سنگری کا کردار اس پست سطح پر آجاتا ہے کہ وہ ایک عام عورت کی نمائندگی سے بھی معذور نظر

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

آتی ہے۔ سب سے مضحکہ خیز اور فلمی بات یہ ہے کہ جس طرح اس کے پہلے نکاح کے فسخ ہونے اور دوسرے نکاح کے ممکن ہونے کو جواز دیا گیا ہے کوئی بھی ذی شعور انسان اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔

مصنف نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس مضحکہ خیزی میں اضافہ کرتے چلے گئے ہیں۔ مولوی جار اللہ سے نکاح کرنے کے محض چند مہینے بعد بستی کے لوگ قبرستان والے معاملے پر مشتعل ہو گئے۔ اگرچہ یہ اشتعال اور رد عمل بہت غیر منطقی اور فلمی معلوم ہوتا ہے، بہر حال اس اشتعال کے نتیجے میں مولوی کی جان چلی جاتی ہے اور سنگری بیوہ ہو جاتی ہے۔ یہ ایک مناسب موقع تھا جہاں سنگری کو اس فلمی منظر نامے سے نکال کر ایک زندہ کردار میں منقلب کیا جا سکتا تھا مگر مصنف کی جانب سے عورت کے اس کردار کو نابود کرنے کا بہت مصمم ارادہ نظر اتا ہے۔ مشرقی معاشرت میں ایک روایتی بیوہ عورت وقار کی چادر اوڑھ کر اور محنت مزدوری کر کے بیوگی کاٹ لیتی ہے۔ جب کہ بہادر اور جی دار عورت عقد ثانی کے حق کو استعمال کرتی ہے اور اپنے بل پر اپنی زندگی خود مختاری سے بسر کرتی ہے۔ مصنف سنگری کو بھی ایک بہادر عورت بنانا چاہتے ہیں مگر کیا کیجیے کہ ہر اینٹ اس کی تعمیر کے بجائے مسماری کو مضبوط کرتی جاتی ہے۔ اس لیے ملاحظہ کیجیے کہ سنگری وضع حمل کے خوف سے نام نہاد "عزت" سے عہدہ بر آ ہو چکی تھی اور مجبوری (اگر تھی) سے اختیار کردہ شوہر سے نجات پا چکی تھی۔ اب امکانات سے بھرپور زندگی اس کے سامنے تھی، منگر جیسا چاہنے والا اپنانے کو تیار تھا، سیدے کا انتظار بھی کر سکتی تھی، ان دونوں کے علاوہ کسی بھی مناسب شخص کا انتخاب کر سکتی تھی۔ اپنے بل پر زندہ رہنے والی سنگری نے جینے کا ڈھب نکالا بھی تو کیا کہ مرحوم شوہر کے بڑے بیٹے سے راہ و رسم بڑھالی، محض اس لیے کہ وہ مہربان رہے اور نان نفقہ چلتا رہے۔ جب چھوٹا مولوی قابو سے باہر ہونے لگا تو سنگری نے چٹ پٹ مرحوم شوہر کے چھوٹے بھائی ملار کھے سے نکاح کر لیا اور وہ محض دو روز میں ہی شادی مرگ سے شہید ہو گیا۔ کردار کے ان افعال اور فیصلوں کی توجیہ اور صورت واقعہ کا بیان اس قدر بھونڈا، غیر منطقی اور عامیانہ ہے کہ سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔

ایک مضبوط اور بلند کردار عورت کی تعمیر کرتے کرتے مصنف اسے اس پست سطح پر لے آتے ہیں کہ وہ محرماتی رشتوں کی حدود تک فراموش کر دیتی ہے اور کسی قحبہ کی طرح جسم کی قیمت پر جینا چاہتی ہے۔ اپنے وجود کا عرفان رکھنے والی عورت تو ایک طرف، کوئی معمولی عورت بھی مرد کو رام کرنے کے لیے اپنی تذلیل گوارا نہیں کر سکتی۔ سنگری کا مسخ اور پچکا ہوا کردار مصنف کے کردار نگاری کے شعور سے عدم واقفیت کا غماز ہے۔ ممکن ہے مصنف نے اپنے گرد و پیش یا تاریخی اوراق میں سے کسی اکھڑ اور خود آشنا عورت کا روپ ملاحظہ کیا ہو اور اسے سنگری کے کردار میں مجسم کرنا چاہتے ہوں، مگر شاید وہ یہ نہیں جانتے کہ حقیقی زندگی کے یہ کردار تخلیقی قالب میں ڈھلنے کے لیے ایک موت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ انھیں زندگی دینے کے لیے آزاد چھوڑ دینا اور اپنے تخلیقی بطن میں تحلیل کرنا بہت ضروری ہوتا ہے ورنہ وہ تخلیق کار کی جبریت سے ہمیشہ کے لیے مر جاتے ہیں۔۔۔ کردار نگار کو اپنے ذہن کی جدوجہد سے کرداروں کے جسم میں روح بن کر سمانا چاہیے اور انھیں اپنے آپ سے قریب لانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔[۱۵] مصنف نے سنگری کو امر کرنے کے جتن میں اسے ہلاک کر دیا ہے۔ لگتا ہے وہ اسے انواسی اور کنگالی ہوئی عورت ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ سنگری کے روپ میں اس دھرتی کی جس مقامی عورت کی تجسیم کی گئی ہے وہ یہاں کی عورت کے کسی بھی روپ سے مطابقت نہیں رکھتی۔ وہ نہ تو مفاہمت کرنے والی اور فیصلوں کے سامنے بلا چون وچرا سر جھکانے والی بے زبان عورت ہے اور نہ ہی فیصلوں کے خلاف ڈٹ جانے والی مزاحمت پسند اور

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

جرات اظہار رکھنے والی نڈر عورت بن پائی ہے۔ سنگری کی یہ مسخ تشکیلی ساخت دراصل ایک رد تشکیلی بیانیہ ہے جو مردانہ سماج کی مخصوص پست اور سطحی سوچ کا عکاس ہے۔ مصنف عورت کی اس قدر تذلیل کر کے انتہائی پست، لاچار اور مجبور و مقہور دکھا کر بزعم خود اس خطے کی عورت کی بے بسی اور مظلومیت کو اجاگر کر رہے ہیں۔ اصل میں یہی سوچ عورت کی بے بسی اور مقہوری کی ذمہ دار ہے۔ اپنے تئیں سماجی انصاف، عدل اور انسانی حقوق کے پرچارک ادیب عورت کے وجودی انکار اور کرداری غیاب کے ذمہ دار ہیں۔ اس نام نہاد مظلومیت کے پردے میں عورت کی جو بے توقیری اور dehumanization کی جاتی ہے وہ ایک تشویش ناک رویہ ہے۔ حقیقتاً ایسا رویہ عورت کی حمایت اور وکالت کرنے کے بجائے اس کی کردار کشی کا باعث بنتا ہے۔ دراصل یہ عورت کی مظلومیت کو آلہ کار بنا کر مقبول ہونے کا آسان حربہ ہے۔ معاصر ادبی منڈی میں یہ ایک مقبول ٹریڈ مارک ہے۔ معاصر ادبی منظر نامے میں ایسی کردار نگاری اور اس طرح کے سطحی متون ایک غالب رجحان کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ یہ عورت کے کردار کا ایک منفی اور مسخ شدہ روپ ہے اور عورت کی بنیادی جبلتوں کے خلاف ہے۔ عورت کو زندگی دینے کی معکوس چال دراصل اس کی موت کا اثبات ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ علی احمد فاطمی، ناول کی شعریات، دہلی، عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۱۹

۲۔ پروفیسر شوکت مغل، شوکت اللغات، سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان

۳۔ محمد حفیظ خان، انواسی، جہلم، بک کارنر، ۲۰۱۹ء، ص ۲۵

۴۔ ایضاً، ص ۲۶

۵۔ ایضاً، ص ۳۷

۶۔ ایضاً، ص ۳۷

۷۔ ایضاً، ص ۶۰-۱

۸۔ ایضاً، ص ۲۰-۲۱

۹۔ ایضاً، ص ۸۷-۸۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۹۳-۹۳

۱۱۔ فیصل اقبال اعوان، حفیظ خان کا ناول "انواسی" اردو ناول کی بدقسمتی کا تسلسل، تجزیات آن لائن، ۳۰-۶-۲۰۲۱
https://www.tajziat.com/article/11991

۱۲۔ شاعر علی شاعر، جدید اردو ناول: اسلوب و فن، لاہور، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء، ص ۴۳

۱۳۔ محمد حفیظ خان، انواسی، ص ۱۶۲-۱۶۴

۱۴۔ ایضاً۔ ص ۱۶۱-۲۴۱

۱۵۔ ڈاکٹر نجم الہدیٰ، کردار اور کردار نگاری، مدراس، ۱۹۸۰ء، ص ۶۵

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024
تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

https://www.rekhta.org/ebooks/kirdar-aur-kirdar-nigari-dr-najmul-hoda-۱۶۔
ebooks?lang=ur

References in Roman Script:

1. Ali Ahmad Fatami, Novel ki Shairiyat, Dehli, Arshiya Publications, 2016, P. 19
2. Professor Shoukat Mughal, shoukat ul lughat, Saraiki Adab Board, Multan.
3. Muhammad Hafeez Kha, Anwasi, Jhelum, Book Corner, 2019, P. 25
4. Ibid, P. 26
5. Ibid, P. 26
6. Ibid, P. 37
7. Ibid, P. 20-21
8. Ibid, P. 20-21
9. Ibid, P. 87-89
10. Ibid, P. 92-93
11. Faisal Iqbal Awan, Hafeez Khan Ka Novel "Anwasi" Urdu Novel ki badqismati ka tasalsal, Tajziyat Online, 03-02-2021. https://www.tajziat.com/article/11991
12. Shayer Ali Shayer, Jadeed Urdu Novel: Usloob o Fun, Lahore, Aks Publications, 2019, P. 43
13. Muhammad Hafeez Kha, Anwasi, Jhelum, P. 162,164
14. Ibid, P. 161, 241
15. Doctor Najam ul Huda, Kirdar aor Kirdar Nigari, Madrass, 1980, P. 65
16. https://www.rekhta.org/ebooks/kirdar-aur-kirdar-nigari-dr-najmul-hoda-ebooks?lang=ur

Dr. Abida Naseem is a Lecturer in the Department of Urdu at University of Sargodha, Pakistan. She completed her Ph.D. in Urdu from the University of Sargodha, Pakistan specializing in Fiction. She has authored nine articles and one book. Her research interests include narrative techniques and themes in Urdu fiction.